(ب) آسٹریلیا کے مسلمانوں اور عیسائیوں کے مسائل کی نشان دہی اور ان کے حل کی تجاویز

گروپوں نے بہت سے موضوعات کی فہرست مرتب کی اور اقدامات کے لیے کئی تجاویز پیش کیں۔ اصلاحِ قانون کے ضمن میں خاندان اور توہینِ مذاہب سے متعلق قوانین کی نشاندہی کی گئی۔ اسی طرح سماجی مسائل میں اسقاطِ حمل، اونچ نیچ اور مذہبی امتیاز پر مبنی کردار کشی وغیرہ زیر بحث آئے۔

خلیجی جنگ میں چرچ کے اقدامات کا کھل کر اعتراف کیا گیا۔ یہ بھی تجویز کیا گیا کہ قانون کے سامنے مذہبی امتیاز سے تحفظ، قانونی مقاصد کے لیے اصلاح Clergy کی تعبیرِ نو کی ضرورت، عیسائی افسران کے ساتھ دوسرے لوگوں کے تقرر، مذاہب کی قومی کونسل کے قیام اور اس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے ساتھ دیگر مذاہب کی شمولیت کے موضوعات پر آسٹریلین لاء ریفارم کمیشن کو قائل کرنے کے لیے مشترکہ جدوجہد پر اتفاق کیا گیا۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے شعبوں میں بھی مل کر کام کیا جا سکتا ہے۔

(ج) بہتر مفاہمت اور بہتر تعلقات کے لیے مزید اقدامات کی ضرورت

گروپوں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں میں سے ایسے افراد منتخب کیے جائیں جو ایک مقررہ مدت جیسے تین، چھ یا بارہ ماہ کے عرصے میں باہم مل کر کوئی مخصوص مسئلہ حل کریں۔ گروپوں نے یہ بھی فیصلہ کیا کہ ایک دوسرے کے مذاہب کے بارے میں معلومات فراہم کرنے میں آسانی کے لیے عیسائی مساجد میں اور مسلمان گرجا گھروں میں اپنے اپنے مذاہب کے تعارف کے لیے پمفلٹ تقسیم کریں۔

مشرق وسطیٰ

"..... نیو ورلڈ آرڈر کی باتیں گمراہ کن ہیں۔"

[غسان ربیض کا ایک مضمون "جمہوریت کی راہ میں رکاوٹیں" کے عنوان سے مجلہ One World میں شائع ہوا ہے۔ جناب ربیض ورلڈ کونسل آف چرچز کے اُس کمیشن کے شعبۂ مشرق وسطیٰ کے سیکرٹری ہیں جو چرچوں کے مابین امداد، پناہ گزینوں اور عالمی خدمت سے متعلق ہے۔ اُن کے مضمون کی تلخیص ماہنامہ فوکس "لیسٹر" نے جنوری ۱۹۹۲ء کے شمارے میں شائع کی ہے۔ اِس تلخیص کا ترجمہ ذیل میں

پیش کیا جاتا ہے ۔مدیر]

حیرت انگیز واقعات افریقہ، لاطینی امریکہ اور مشرقی یورپ کے بہت سے ملکوں میں جمہوریت لانے کا سبب بن رہے ہیں۔ مجھے اس بات کا یقین ہے کہ سیاسی اصلاحات کی یہ واضح لہر بالآخر مشرقِ وسطیٰ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی تاہم اِس خطے میں موجود تین بڑی رکاوٹوں پر قابو پائے جانے کے فوری امکانات نظر نہیں آتے۔

—عرب دُنیا میں جابرانہ اقتدار کے خلاف منظم اپوزیشن مذہبی بنیاد پرستی کی شکل اختیار کر رہی ہے۔

— مشرق وسطیٰ کی نیم آزاد خیال ریاستوں — اسرائیل اور لبنان —کے اداروں پر نسل پرستی کی چھاپ ہے۔

—بین الاقوامی سرمایہ کاری لوگوں کی آزادی کے مقابلے میں خطّے کے سیاسی استحکام کو ترجیح دیتی ہے۔

مذہبی بنیاد پرستی

مشرقِ وسطیٰ میں جمہوری تبدیلی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مذہبی بنیاد پرستی ہے جو خطّے کے ہر معاشرے میں ایک منظم سماجی و سیاسی اقلیت کی شکل میں موجود ہے۔ مذہبی بنیاد پرستی ایک پُراسرار تحریک ہے جسے آسانی سے سرمایہ حاصل ہوجاتا ہے۔ اس میں ہر عمر کے لوگوں کے لیے کشش موجود ہے تاہم نوجوانوں اور تعلیم یافتہ افراد کے لیے اِس میں کہیں زیادہ کشش ہے۔

معاشرہ کیوں انحطاط پذیر ہے؟ بنیاد پرستوں کے پاس اس کا سیدھا اور سادہ جواب یہ ہے کہ یہ قومیّت پرستی، لادینیّت، مغربیت اور مغرب پر سیاسی انحصار کا نتیجہ ہے۔

بنیاد پرستوں کو اچھی طرح علم ہے کہ اِس صورت حال کے لیے کِسے موردِ الزام ٹھہرایا جائے۔ برسرِاقتدار حکومتیں ہی مجرم ہیں۔ بنیاد پرست نہایت جرأت کے ساتھ حکمرانوں کی بدعنوانیوں، غیر ملکیوں پر اُن کے انحصار، حالات کے سامنے اُن کی بے بسی کو نشانہ تنقید بناتے ہوں۔ کیوں کہ یہی پالیسیاں قوم کی غربت پر منتج ہوتی ہیں۔

اگر بنیاد پرست اپنے تجزیے میں صحیح ہیں کہ غلط کیا ہے؟ تو اس کے ساتھ ہی اُن کا تجزیہ درست نہیں کہ ٹھیک کیا ہے۔ مسائل کے حل کے لیے ان کی تجاویز اکثر سادہ لوحی پر مبنی ہوتی ہیں۔

ماڈل کی تلاش

مشرقِ وسطیٰ میں جمہوریت کے اچھے نمونوں کا فقدان ہے۔ خانہ جنگی سے پہلے کم از کم لبنان کو اس کے پارلیمانی عمل اور آزادیٔ اظہار رائے کے حوالے سے ایک نیم جمہوری ملک کہا جاسکتا تھا۔ اسی طرح مغرب میں بہت سے لوگ اسرائیل کو اِس کی مضبوط پارلیمنٹ اور آزاد پریس کے تناظر میں جمہوری ملک قرار دیتے ہیں۔

لبنان علاقے میں ایک سرکردہ جمہوری ملک بننے کی صلاحیت رکھتا تھا مگر اس کی جمہوریت حال ہی میں ختم ہونے والے گروہی جنگ و جدل کی نذر ہو چکی ہے۔ اگر وہ اپنی آزادی برقرار رکھنے میں کامیاب رہتا ہے تو اسے خانہ جنگی سے پہلے کی آزادانہ اسپرٹ کی بازیابی کے لیے اپنے ہمسایہ ممالک پر بہت انحصار کرنا پڑے گا۔

فرقہ وارانہ تنازعات نے لبنان کی سیاسی فضا میں زہر گھول دیا ہے۔ اس سے آزادیٔ فکر اور اصول مساوات کو شدید زک پہنچی ہے۔ ہر مذہبی فرقے کی جانب سے اپنی اپنی فوج بنانے کے عمل نے لبنانی معاشرے میں نسل پرستی اور عصبیت میں اضافہ کیا ہے۔ ملک میں عیسائیوں کا ایک مختصر سا طبقہ اس بات کا قائل تھا کہ لبنان کا ترقی پسندانہ کردار صرف اسی صورت میں برقرار رہ سکتا ہے کہ اقتدار پر اس کا غلبہ ہو۔ اس طبقے کی مخالف ایک مسلمان اقلیت بھی اپنی سوچ کے اعتبار سے اتنی ہی نسل پرست تھی۔ اس کی رائے میں حقیقی تہذیب کی تعمیر صرف اسلام ہی کر سکتا ہے۔ یہ دونوں قوتیں لبنان میں کارفرما ہیں۔

جہاں تک اسرائیل کا تعلق ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسرائیلی شہریوں کی اکثریت کو آزادی اور مساویانہ حقوق حاصل ہیں۔ اس پہلو سے اسرائیل ایک قسم کا جمہوری ملک ہے۔ لیکن کیا اسرائیل اپنے عرب شہریوں کے حوالے سے بھی ایک جمہوریت ہے؟ عرب آبادی کا ۱۸ فیصد ہیں انہیں اسرائیلی پارلیمنٹ میں اپنی آبادی کے تناسب سے نمائندگی حاصل نہیں ہے۔

اسرائیل میں عربوں کی حیثیت دوسرے یا تیسرے درجے کے شہری کی ہے۔ دروزوں کے علاوہ کوئی عرب اسرائیلی فوج میں بھرتی نہیں ہو سکتا۔ ان کی آبادیوں پر توجہ نہیں دی جاتی۔ انہیں سیاسی اور اقتصادی اداروں میں نمائندگی حاصل نہیں حتیٰ کہ وہ یونیورسٹیوں میں داخلہ نہیں لے سکتے۔

اگر مشرق وسطیٰ کی ۲۳ ریاستوں میں سے کسی ایک میں جمہوریت پھل پھول رہی ہوتی تو یہ امید کی جا سکتی تھی کہ شاید علاقے میں جمہوری عمل آخر الامر جڑ پکڑ لے گا۔ اس وقت تو صرف یہی کیا جا سکتا ہے کہ آبادی کے لحاظ سے متنوع معاشروں اور بہتر سماجی تجربات کی اُن چھوٹی چھوٹی مثالوں کی حوصلہ افزائی کی جائے جن میں شہریوں کے ذاتی وقار کو اہمیت حاصل ہے تاکہ آزادی کا ذائقہ ہر کوئی پسند کرنے لگے۔ علاقے میں کسی تبدیلی کے مقبول ہونے سے پہلے تصورِ مساوات کو عام کیا جانا چاہیے۔

بین الاقوامی عوامل

شمال کے امیر ملک مشرقِ وسطیٰ کی موجودہ سیاسی صورت حال میں رد و بدل سے خائف ہیں۔ تیل سے وابستہ تجارت کے علاوہ علاقے میں سالانہ کروڑوں ڈالر کے ہتھیار فروخت ہوتے ہیں۔ ان ملکوں کی اولین ترجیح یہ رہی ہے کہ خلیجی ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھے جائیں۔ جیسا کہ خلیجی

جنگ سے واضح ہو گیا ہے کہ یہ اتنا اچھا سودا ہے کہ اس میں کوئی رخنہ نہ آنا چاہیے۔

عراق کی تباہی کے لیے اتحادیوں کی آمادگی، مہینوں تک کویت کو جلتے رہنے دینا اور لاکھوں انسانوں کو بے گھر کر دینا، کیا انصاف کے لیے ہوا ہے؟ یہ بات آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔ پوچھا جا سکتا ہے کہ شمال کے یہ امیر ملک کھلی بے انصافی کے خلاف کہیں اور بھی کبھی اتنے متحرک رہے ہیں؟ اس سُرعت کا مظاہرہ فلسطین، لبنان یا قبرص میں نہیں کیا گیا۔

اِس میں شک نہیں کہ شمال کے بہت سے لوگ پورے خلوصِ نیّت سے مشرقِ وسطیٰ میں آزادی اور جمہوریت دیکھنے کے خواہش مند ہیں مگر مشرقِ وسطیٰ کو مستحکم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ جمہوریت و آزادی اس معاشی نظام کو تبدیل کرتے ہوئے نہ آئے جس میں یہ خطہ ایک طرف شمال کی مصنوعات کے لیے منڈی ہے اور دوسری طرف اسے سستے داموں خام مال مہیا کرتا ہے۔

مشرقِ وسطیٰ میں سیاسی کشادگی کا ہدف حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ شمال کے امیر ملک علاقے کو مقامی لوگوں اور اُن کی خواہشات کے حوالے سے دیکھنا شروع کر دیں۔ اگر شمال کے یہ ملک تیسری دُنیا کے لوگوں کی ترجیحات کی حمایت کرنا شروع کر دیں تو آخر الامر اس سے پوری دُنیا کو فائدہ ہوگا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو نیو ورلڈ آرڈر کی باتیں سراسر گمراہ کن ہیں۔

بنگلہ دیش

"کیتھولک آبادی میں اضافہ مسلسل جاری ہے۔"

"کیتھولک نیوز" کے تجزیے کے مطابق ایک ایسے ملک میں جس کی ۸۵ فیصد آبادی اسلام کی پیروکار ہے اور عیسائی کل آبادی کا صرف ایک فیصد ہیں، کیتھولک مشنریوں کو بڑی مشکل حالات کا سامنا ہے تاہم فادر فرانسس زنانی بنگلہ دیش میں اپنے کام سے پُر امید ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ دیہی علاقوں کے قبائلی گروپوں میں عیسائیت اختیار کرنے والوں کی تعداد "بڑھ رہی ہے۔" لیکن "یہ اتنی نہیں جتنی توقع کی جاتی ہے۔" ایسا ہوتا ہے کہ ایک گروہ نے عیسائیت قبول کی اور پھر واپس حلقۂ اسلام میں چلا گیا۔"

حالیہ اعداد و شمار کے مطابق بنگلہ دیش میں کیتھولکوں کی تعداد دو لاکھ کے لگ بھگ ہے۔ اپنے طور پر یہ تعداد کم نہیں لیکن وسکونسن کے رقبے کے برابر اِس ملک میں بارہ کروڑ کی آبادی ٹھنسی ہوئی ہے اور یوں عیسائی آبادی بہت تھوڑی محسوس ہوتی ہے۔